© rasailojaraid.com

ششماہی التفسیر کراچی، جلد:۱۲، شمارہ:۱، مسلسل شمارہ:۳۱، جنوری۔ جون ۲۰۱۸ء

قرآن حکیم کا انداز خطاب اور عصر حاضر

عنبر غنی
ریسرچ اسکالر، شعبہ اصول دین، جامعہ کراچی

Abstract

''A word is not a crystal, transparent and unchanged, it is the skin of a living thought and may vary greatly in color and content according to the circumstances and the time in which it is used." Oliver Wendell Holmes

Allah has blessed human with the power of speech. This is the way he communicates with each other. Not only it's the way of communication between human but Allah himself dialogue with human through his Prophets.

Way of speech of Allah in all the holy books is remarkable. Which in last Holy book Quran is noteworthy and extraordinary. The way Quran address people is not effective but also turns out to be guideline for mankind.

s teaching is not only to deliver its message while it also educates ’Quran how to speak and deal within the society. The key points regarding this speech is power that makes human valuable among whole creations :are on the other hand initially body language itself is way of communication. So, one should be aware of the psychology and status of the person he is talking to. During speech, he should use appropriate words to call, his tone should be polite, his message should be as understandable as the listener.

While not only the basic teachings are being explained other thing, which is especially focused is the way Quran address nationally or status wise as Jewish and Christians. Quran has honored them by It's addressing way.

These are the main points which have been quietly and firmly been obtained in Holy Quran. Which have been followed by Prophets. They are exactly what we know are missing in our society. So, keeping in all

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

the main points which have been practically demonstrated by Holy Quran we can make our society much better and worth living place.

Key words: Quran, Speech, communication, psychology.

خالق کائنات نے انسان کو عقل وحواس سے نوازا۔اوراس کو شعور بخشنے کے لئے انبیاء اکرام کو بذریعہ وحی کتب ہدایت دی گئیں۔ان میں معروف الہامی کتب توریت، زبور، انجیل اور قرآن حکیم ہے۔کیونکہ علم وحواس ودیگر کے علاوہ یہی معلومات اور علم کے حصول کا ذریعہ ہیں۔سابقہ الہامی کتب آج بھی انسان کے سامنے اپنی بیشتر تعلیمات کے ساتھ موجود ہیں۔ان کتب کا منبع ذات باری تعالیٰ ہے۔اس لئے ہر کتاب اپنے وقت میں رہنمائی کے تمام اصولوں واحکامات میں کامل تھیں،مگر انسان نے اپنی فکری محدود صلاحیتوں کی وجہ سے ان تعلیمات میں تحریفات کردیں،جس کے نتیجے میں آخری کتاب قرآن حکیم کا نزول ہوا۔

قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس کے تا قیامت رہنے کا دعویٰ بہت سے اہم امور کو سمیٹے ہوئے ہے۔مثلاً اعجاز قرآن، نظم قرآن، اسلوب قرآن وغیرہ۔ان میں سے اہم قرآن حکیم کا انداز بیان وکلام ہے۔انسان کو اللہ تعالی نے تکلم کے لئے قوت گویائی اور قوت سماعت سے نوازا ہے۔جس کی بدولت انسان نے فن کلام میں مہارت حاصل کرتے ہوئے ادب کی بنیاد رکھی، اظہار خیال کے مختلف پیرایوں کو ترتیب دیا جیسا کہ نظم، غزل، مضامین، مکالمہ وغیرہ اس کی امثال میں سے ہیں۔مزید برآں کلام کی تاثیر انداز تکلم سے جنم لیتی ہے۔تقریر، وعظ، نصیحت، لیکچر اور خطاب جیسے فنون اپنے اپنے انداز میں منفرد اثرات کے حامل ہیں۔انبیاء کرامؑ نے ان تمام میں موثر ترین فن، خطاب کا انتخاب کیا۔قرآن حکیم بھی مکمل انداز خطاب پر مبنی ہے۔خود باری تعالی نے قرآن حکیم میں انسان کو مخاطب کر کے احکامات جاری کئے ہیں۔کیونکہ اس کے مقابلے میں وعظ ونصیحت کا انداز انسانی طبیعت پر گراں گذرتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب بھی احکامات کو نازل فرمایا اس کی کیفیت ایسی ہے جیسے کوئی آپ سے ملاقات وکلام کر رہا ہو۔اور یہی کیفیت قرآن حکیم میں حاوی نظر آتی ہے۔

مفہوم خطاب:

جب خطاب کے معنی ومفہوم پر نظر کرتے ہیں تو ماہرین لغات نے جس طرح دیگر الفاظ کے پوشیدہ معانی اور حکمتوں کو بیان کیا ہے اسی طرح خطاب کے ان معانی پر بھی دقیق نگاہ ڈالی ہے جو اس انداز ترسیل کی اہمیت وانسان پر دوررس نتائج کو واضح کرتا ہے۔لغوی اعتبار سے خطاب عربی کے لفظ خطب سے ماخوذ ہے جس کا مطلب باہم گفتگو کرنا ہے۔(۱)

امام راغب اصفہانی نے خطب کے لغوی معانی یوں بیان کیے ہیں:

''**الخطب والمخاطبة والتخاطب المراجعة فی الکلام و منه الخطبة والخطبة تختص بالموعظة.**''(۲)

''الخطب المخاطبۃ والتخاطب باہم گفتگو کرنا، ایک دوسرے کی طرف بات لوٹانا اسی سے خطبۃ اور خطبۃ ہے لیکن خطبۃ وعظ کے معنی کے ساتھ خاص ہے۔''

لسان العرب کے مصنف نے خطب، خطاب پر مفصل بحث کی ہے اور عمومی وخصوصی معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''وھو ان الخطبة اسم الکلام، الذی یتکلم به الخطیب.''(۳)

''اور وہ یہ کہ الخطبۃ کلام کا نام ہے جس کے ذریعے خطیب کلام کرتا ہے۔''

اس کے علاوہ بھی اس کے معنی منگنی، منگنی کرنے والا، واعظ کے بھی ہیں۔

خطاب کو خط سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ اس کا آغاز و اختتام ہوتا ہے۔ اس حوالے سے لسان العرب میں ابواسحق کا قول درج ہے کہ:

''والخطبة مثل الرسالة التی لھا اول و آخر''(۴)

''الخطبۃ رسالہ (خط) کی طرح ہے جس کا ایک آغاز اور انتہا ہوتا ہے۔''

خطاب کے مفہوم میں کلمات کی فصاحت و بلاغت کو شامل کرنے سے اس میں وسعت کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مزید برآں یہ خطاب توجہ دلانے اور دوٹوک معنی بھی لیے ہوئے ہے۔ لسان القرآن میں اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''خطب: حالت، معاملہ، دریافت طلب بات، اہم بات. خاطب: ایک دوسرے کا باہم بات چیت کرنا۔ بات چیت سے ایک دوسرے کو متوجہ کرنا۔ فصل الخطاب: فیصلہ کن اور دوٹوک بات۔ ایسی بات جو فصاحت اور صراحت کے پہلو لئے ہو۔''(۵)

خطاب کی اہمیت:

بات چیت کرنا انسان کا دوسرے انسان کے سامنے اظہار کا بنیادی آلہ ہے۔ یہی اظہار اس کی زندگی کی علامت ہے۔ ورنہ سوائے زندہ لاش کے انسان کچھ نہ ہو۔ اظہار کی ضرورت نے خطاب کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ مزید برآں اظہار کا انداز بھی اپنے اندر وسعت کا حامل ہے۔ جس میں الفاظ، کلمات، صوت، اشارات، کنایات وغیرہ اور ان سب کے ذریعے کسی مقصد کی رسائی۔ اسی بات کو زبان و ادب کے ایک ماہر نے تین اہم پہلوؤں یعنی اظہار و اپنی بات کا دوسرے کو شعور دینا، بات کا عوام کے دائرے تک وسعت کا حامل ہونا اور امتیاز کی کیفیت کا پیدا ہونا، کو شامل کیا ہے۔ چنانچہ چارلس ٹیلر اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

''There are three things that get done in language:making articulations, and hence bringing about explicit awareness;putting things in public place;and making the discriminations which are foundational to human concerns, and hence opening to these concerns. These are functions for which language seems indispensable.''(6)

''یہاں تین امور ہیں جو زبان میں ادا ہوتے ہیں: بیان دینا اور یوں واضح آگاہی سامنے لانا؛ باتوں کو عوام کے درمیان لانا اور امتیاز پیدا کرنا جو کہ انسانی بنیاد سے منسلک ہے، اور تعلقات کے آغاز کا سبب بننا۔ یہ وہ افعال ہیں جو زبان کے لئے ناگزیر ہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے ساتھ خطاب کے انسانی نفسیات وشخصیت پر ہونے والے اثرات اس کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرتے ہیں۔صرف بات کا کہنا کبھی بھی موثر نہیں رہا۔نہ ہی حسن صوت خطابت کی کامیابی کی ضامن ہے۔جب یہ تمام اجزاء بیک وقت،ٹھیک مناسبت سے،ہم آہنگ ہوکر نوک زبان سے بکھرتے ہیں تو ان کی معنویت ومقصدیت دلوں پر راج کرتی ہے۔غرض بات کا مقصود دل موہ لینا،ہمت دلانا یا مرغوب کرنا ہی کیوں نہ ہوان باتوں کا اہتمام کرنا کامیابی کا ضامن ہے۔کیونکہ بقول ڈاکٹر پیر محمد حسن:

''بارونق الفاظ اور کثیر معانی کا نفوس پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے،دلوں پر ان کی مضبوط تاثیر ہوتی ہے،یہ ہمتوں کو بہت بیدار کرنے والے ہیں''(۷)

اس لیے جب اظہار وخطاب کسی بھی ادب وزبان کے لیے ناگزیر ہے،تو انسان نے اس پر محنت بھی اسی قدر کی ہے۔چاہے وہ حسن کلام ہو یا ادائیگی کلام۔جہاں تک بات حسن کلام کی ہے تو فصاحت وبلاغت اس کا بنیادی وصف ہے۔بات میں کہے جانے والے کلمات کا مجموعہ کتنا جامع اور مخاطب تک پہنچنے میں کتنا پرتاثیر ہوتا ہے۔یہی وہ ہنر تھا جو خطباء کو دیگر میں ممتاز کرتا تھا۔یہ کہنا بےمحل نہ ہوگا کہ گفتگو میں فصاحت وبلاغت کلام کی تاثیر میں چار چاند لگانے کا باعث بنتی ہے۔اس بات کو فہم انسانی کے مولف نے یوں تحریر کیا ہے کہ:

''فصاحت وزبان آوری کا انتہائی کمال اپنے مخاطب کے دماغ میں فکر اور استدلال کی گنجائش بہت کم چھوڑتا ہے بلکہ اس کا خطاب چونکہ تمام تر تخیل اور جذبات سے ہوتا ہے اس لئے سامعین کو اس طرح مسحور کر لیتی ہے کہ ان کی ساری عقل وفہم معطل ہو جاتی ہے۔''(۸)

کیونکہ جو خطاب عقل ونفسیات کو اس قدر متاثر کرتا ہو وہیں مقاصد واہداف کے تحت استعمال کیا جاتا ہے۔بیشک وہ تخاطب میں تو مختلف ہو سکتے ہیں مگر عمومی طور پر بات کسی کو ترغیب دینے یا ترہیب کے لیے کی جاتی ہے۔چاہے وہ نچلے طبقے کے افراد کے سامنے ہو یا اعلی وارفع کے سامنے۔یہی اہداف ومقاصد خطاب کی اہمیت وافادیت کو دوچند کر دیتے ہیں۔انہیں کے حصول کے لیے انسان جدوجہد کرتا آ رہا ہے۔خطاب کو موثر بنانے کے لیے الفاظ،لہجہ،القاب ودیگر کو پرکشش بنانا لازمی ہے۔خطاب کے مقاصد اور تاثیر کے ان اوامر پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر پیر محمد حسن رقمطراز ہیں کہ:

''کان کلام بلیغ کو زیادہ غور سے سنتے اور زیادہ محفوظ رکھتے ہیں۔طبع سلیم ہر مستحسن چیز کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔موجودہ دنیا کے لیے رغبت پیدا کرنا اور آئندہ سے خوف دلانا یہ دو امور جو خطیبوں کے اہم مقاصد اور اس کے اہم مطالب میں سے ہیں۔اگر دلوں کو موہ لینے والے اور سینوں پر اثر کرنے والی عبارتوں میں پیش نہ کیے جائیں تو ان میں نہ کوئی تاثیر ہوگی اور نہ کوئی فائدہ۔''(۹)

الغرض خطاب کی اہمیت انسان کی زندگی میں ایسے ہی ہے جیسے پودے کے لیے سورج کی توانائی۔اسی اہمیت کی بناء پر اقوام فی زمانہ عروج وزوال کا شکار بھی رہی ہیں۔جس میں سب سے نمایاں قوم عرب ہیں۔عرب دور جاہلیت میں بھی اپنی فصاحت وبلاغت کے غرور میں دوسروں کو عجم گردانتے تھے۔جو ان کے طرز خطاب کی خصوصیات اور اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربوں کا طرز خطاب:

قوم عرب زبان وادب میں اس وقت کی اقوام میں صف اول میں شامل تھی۔اس کی وجہ عربوں کا مخصوص طرز خطاب اور اس پر کی جانی والی محنت ہے۔

عرب کی زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ''عربوں کی خوش بیانی نے اقوام عالم میں وہ حصہ پایا ہے جس سے باقی محروم تھے۔ فصاحت و بلاغت کو ان کی جبلت کا حصہ قرار دیا ہے۔اپنے لفظوں وکلموں کے ربط وتناسب پر اتنا عبور تھا کہ نہ صرف شاعری کے ذریعے کسی کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیتے تھے یا اس کے وقار کو خاک میں ملا دیتے ہیں بلکہ بداہتاً بھی ایسی بات کہہ دیتے تھے جو ادبی محاسن کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیتی تھی۔ان کے کلمات موتیوں کی ایسی مالا ہوتی تھی جو کدورتوں کو دور کر دیتی تھی، ایسا جوش ہوتا تھا جو بزدلوں کو جرات دلا دیتا تھا، بخیل آمادہ سخاوت ہو جاتے تھے، جسے چاہتے شہرت کے آسمان پر ستارہ بنا دیتے اور جسے چاہتے اندھیرے غار میں دھکیل دیتے تھے۔یہ معیار خطاب ایک بدوی کے کلام کا حصہ تھا۔یعنی ان کی طبیعت میں ہی جوہر کے موتی پنہا تھے۔مشکلات کو حل کرتے اپنے فیصلوں میں اس قدر جاندار تھے۔جب حضرمی کی بات ہوتی وہ ہمسروں میں افزوں کا مالک ہوتا تھا۔لیکن ان سب کے باوجود ان کے کلمات وخطابات دشوار نہ تھے۔''(۱۰)

سوان کے خطاب میں دشواری نہ تھی بلکہ اس فصاحت و بلاغت میں بھی لطیف پہلو بیان کا سادہ ہونا بھی ہے۔اس سادگی نے فصاحت و بلاغت کو ایک نئی نہج پر استوار کیا۔کلام کی نئی خصوصیت نے فصاحت و بلاغت کی افادیت میں اضافہ کر دیا تھا۔یوں عربوں کا انداز انسانی ذہن و استطاعت اور فطرت پر گراں نہ تھا۔اس امر کو ''سرور کونین ﷺ کی فصاحت'' میں یوں تحریر کیا گیا ہے کہ:

> ''ظہور اسلام سے قبل یہ اسلوب بیان یعنی فصاحتِ کلام عرب میں ایک مستقل تحدی اور معارضہ کی شکل میں موجود تھی۔چنانچہ ان کے یہاں سلاستِ کلام اور ان کا ربطِ معانی، حسن تنظیم کلمات وحروف، فصاحت کے اجزائے ترکیبی تھے۔وہ یہ بھی ضروری خیال کرتے تھے کہ کلام فطرت اور طبیعت کے مطابق ہو ورنہ وہ کلام فصیح نہیں ہوگا۔اسی لئے وہ اس سلسلہ میں تصنع اور تکلف سے گریز کرتے تھے اور صنائع بدائع کی آورد سے بچتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اس تصنع اور آورد سے کلام کی طبعی اور حقیقی سلاست مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اس بے تکلف کلام کے باعث فہم معانی میں ان کو دقت پیش نہیں آتی تھی۔''(۱۱)

جب عربوں کی یہ حالت تھی تو یقیناً اس کا توڑ اور ان کو مغلوب کرنے کے لئے ویسا ہی حربہ موثر رہتا، جس کا اہتمام قرآن حکیم نے بخوبی فرمایا ہے۔قرآن حکیم کے اسلوب نے ان کی اس جبلت کو تسکین فراہم کی تھی۔ان کی اس خصوصیت کو نکھار دیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ عرب اس کلام پاک کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔اس کلام کو سنتے ہی اس کے سامنے جھک جاتے تھے۔کیونکہ ان کی روح کا میلان ہی اس جانب تھا۔وہ خود اس پر ملکہ رکھتے تھے، لفظوں کی تاثیر سے دلوں کو قریب لاتے یا ہمیشہ کے لیے دور کر دیا کرتے تھے۔ یہی وہ جبلت تھی جس نے ان کو قرآن حکیم کے آگے زیرنگوں کر ڈالا، جس کو یوں خود مانتے ہیں۔مصطفیٰ صادق الرافعی ان کی اس کیفیت کا اقرار لفظوں میں پیروتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

’’ورای بلغاؤھم انه جنس من الکلام غیر ماھم فیه، وان ھذا الترکیب ھو روح الفطرۃ اللغویة فیھم، وانه لا سبیل الی صرفه عن نفس احد من العرب او اعتراض مساغه الی ھذہ النفس .(۱۲)

’’ان بلغا کو اعتراف کرنا پڑا کہ اسلوب قرآنی زبان و بیان کی وہ جنس گراں مایہ ہے جس تک ان کی پرواز نہیں ہوسکی اور نہ ہوسکتی ہے۔ اھل عرب نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ یہ نظم وسلوب خود ان کی فطرت لسانی کی روح اور جان ہے اور کسی عرب کے دل کو اس انداز نظم و بیان سے پھیرنے اور باز رکھنے کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوسکتی۔‘‘

عرب کی کیفیت عجز بے محل نہ تھی، نہ کوئی جادو یا سحر کی آفرینش بلکہ ایسے کلام کی تاثیر تھی جو آج بھی اتنا ہی موثر ہے جتنا کہ آج سے چودہ برس قبل تھا۔ قرآن حکیم کا طرز تخاطب اس الجھاؤں کو مزید سلجھا دے گا۔ کیونکہ ’’افکار عرب پر قرآن حکیم کے اس طرح غلبہ پانے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قرآن حکیم عربوں کی روحانیت اور اخلاق و عادات سے اچھی طرح آگاہ تھا اس لئے قرآن نے ان سے جو کہا وہ ان ہی کی زبان میں کہا اور ان ہی کے الفاظ استعمال کئے۔ یہی وہ انداز خطاب ہے جو مخاطبین کو تاثیر الفاظ کے لحاظ سے بھرپور طریقے پر متاثر کرسکتا ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک لفظ کے ایک معنی ان مخاطبین میں سے ہر ایک فرد کے لئے تاثیر کلی کی وجہ نہیں بن سکتا جب کہ زندگی میں باہمی تناقص اور تضاد ہے، پس وہ لفظ یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ ان کے انکار اور طغیان کے مقابل ٹھہر سکے اور ان کے اختلاف کو دور کردے اور ان کی خواطر میں جگہ پاسکے یہ صرف قرآنی الفاظ ہی کی خوبی ہے کہ ان اختلاف طبائع کے باوجود ان الفاظ نے پوری پوری اثر آفرینی دکھائی اور انفرادی و اجتماعی دونوں اعتبار سے ان کو متاثر کیا۔‘‘(۱۳)

قرآن حکیم کا طرز تخاطب:

قرآن حکیم بحیثیت رہنما مسلمہ کتاب ہے، قرآن حکیم میں خطاب پایا جانا اس کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس کلمہ کا مناسب محل وقوع کے اعتبار سے استعمال بھی واضح ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ مقام جہاں حضرت موسیٰؑ کے طُور پر رہنے کے ساتھ پیچھے سامری نے بچھڑے کی پوجا کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ آپؑ کے واپس آنے پر آپؑ نے سامری سے جو کلام کیا اس کا ذکر کرتے قرآن حکیم میں خطب کے کلمہ سے کیا گیا ہے۔ جس سے مراد حال، معاملہ، دریافت طلب بات کے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یاَ سَامِرِیُّ (۱۴)

’’پھر (سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے؟‘‘

یوں قرآن حکیم نے خطب کو عمومی بات چیت کے معنی میں مذکور کرنے کے ساتھ تقریر اور فصاحت کے خصوصی معنی میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں انبیاء و رسل کو ایسی صفات سے بھی متصف فرمایا جو نہ صرف اس منصب کے شایاں شان تھیں بلکہ فرائض وذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ضروری بھی۔ اس کی مثال حضرت داؤدؑ کو نبوت پر سرفراز کرنے کے ساتھ جس خصوصیت سے مستفیض کیا گیا وہ خطاب ہے۔ حضرت داؤدؑ کی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

”وَ شَدَدْنَا مُلْکَهُ وَآتَیْنَاهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ“(۱۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور (خصومت کی) بات کا فیصلہ (سکھایا)''

گویا بات اور اس کا حکمت سے استعمال کرنا بھی فن ہے۔ ایسا آلہ بھی جو مخاطبین کو دعوت کے میدان میں قائل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ صاحب لسان القرآن نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے بخوبی واضح کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت داوڑ کے بارے میں جہاں ہم نے ان کو فلسطین کی بہت بڑی سلطنت عطا کی، وہاں ان کو حکمت ودانش کی فراوانیوں سے بھی نوازا، وہاں ایسا انداز گفتگو بھی بخشا جو جچا تلا، دوٹوک اور فصاحت واثر اندازی کی خوبیوں سے مالا مال تھا۔ بحیثیت حاکم اور پیغمبر کے ان کی یہ خصوصیت تھی کہ نہ صرف یہ زیر بحث معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے بلکہ اس کو ایسے دل پذیر اسلوب سے بیان کرتے جس سے فریقین کی تسکین ہو جاتی۔''(۱۶)

قرآن حکیم میں جہاں اس آیت میں حکمت کا پہلو نمایاں کرتی ہے وہیں خطاب بحیثیت ایک صنف ادب ومعاشرت کے نئے اور منفرد نظریات کو جنم دیتا ہے۔ اس کا طرز ادا نہ صرف منفرد بلکہ انسانوں کے عمومی انداز سے یکسر مختلف ہے۔ قرآن حکیم نے خود اپنے کلام کی انفرادیت کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمات کی حکمتوں کو خود انسانوں پر آشکار کیا ہے۔ اس کو اس فکر پر لگایا ہے کہ بات کا اظہار صرف الفاظ کہہ دینا نہیں بلکہ اس سے مثبت نتائج اخذ کرنے کا ہنر آنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم خود اس پر شاہد ہے۔ کوئی کلمہ کوئی حرف بنا کسی مقصد وافادیت کے مستعمل نہیں ہوا۔ یہ قرآن حکیم کی شان ومعجزہ ہے کہ کلمات ہو، صیغے ہو، دلائل ہو، حکمتیں ہو، عقائد ونظریات ہو، معاشرتی وسماجی معاملات ہو، ایک ایک حرف وکلمہ اس مقام پر حسن ومقصد کا امتزاج لیے ہوئے ہیں۔ اس مخصوص جگہ پر کوئی اور کلمہ انسانی سوچ میں بہتر متبادل ہو ہی نہیں سکتا۔ سید قطب شہید قرآن حکیم کے انداز کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''(قرآن حکیم کا انداز خطاب) مفہوم اور الفاظ وعبارت اور اس کے اثرات میں مکمل ہم آہنگی اور تناسق بھی ہوتا ہے۔ ماحول، فضا، خوبصورتی اور حسن تعبیر اور حسن الفاظ سب کے سب ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ایک ایک لفظ اپنی جگہ ضروری ہوتا ہے اور لفظی خوبصورتی کی وجہ سے مفہوم متاثر ہوتا ہے اور نہ مفہوم کی وجہ سے فنی کمال۔ اور یہ حسن ایک ایسے اعلیٰ مقام تک پہنچتا ہے کہ اس کے قام اعجاز تک رسائی ممکن نہیں ہے۔''(۱۷)

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرآن حکیم نے انداز خطاب کو جتنے وسیع معانی ومفاہیم میں استعمال کیا ہے یہی انسان کے خطاب کے وسعت کا سبب بنا ہے۔ قرآن حکیم کے اس انداز خطاب کے سمندر میں غوطہ زن ہونے سے بے شمار موتی حاصل ہوتے ہیں۔ یہ دراصل وہ مختلف عناصر یا اجزاء ہیں جو انداز خطاب کو تشکیل دیتے ہیں۔ کلام کو بیان کے وقت بذات خود قرآن حکیم میں یہ خصوصیات جا بجا بکھری ہوئی ہے اور بندوں کو بھی ان خوبیوں سے خود کو متصف کرنے کی تلقین کی ہے۔ جس کی تفصیل درج ہے:

حسن کلام: جہاں الفاظ کا انتخاب مخاطب کیلئے پیش نظر رکھنے کا حکم ہے وہیں اس کے بعد اپنی بات کو پیش کرنے میں ملحوظ خاطر رکھنا بھی ہے۔ انسان فطرتاً نیک اور امن پسند ہے۔ یوں خوش کلامی اور محبت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس محبت اور الفت کا آغاز ہی کلام سے ہوتا ہے۔ جس قدر بات وگفتگو اچھی ہوگی اتنا ہی لوگ اس کے گرویدہ ہوتے چلے جائے گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاظ کی سادگی، اس کا احسن انداز ہی انسان کی طبیعت کو مزید بات مخاطب کو سننے کی طرف مائل کرتا ہے۔ مزید یہ کہ احسن کلام خوش گوار تعلقات کے لئے بھی لازمی ہے کہ گفتگو میں احسن اندازی کا غلبہ ہو۔ قرآن حکیم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

''وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا''(۱۸)

''اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔

کیونکہ شیطان (بری باتوں سے) ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

قرآن حکیم کے اپنے کلمات ونظم اس امر کے شاہد ہیں کہ خطاب جتنا سہل، فطرت سے قریب ہوگا اتنا ہی اس میں حسن دوچند ہو جائے گا۔ یہ کلام کی سچائی ہے جو اسے تصنع وتکلف سے پاک رکھتی ہے۔ سید قطب اسی حوالے سے کہتے ہیں کہ:

''سچائی اپنی فطرت کے اعتبار سے اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اس کے لیے وہ کسی طویل کلام و بیان کی محتاج ہی نہیں ہوتی ہے۔''(۱۹)

مومنین کو تلقین فرماتے ہوئے خطاب کی مقبولیت وتاثیر کا نچوڑ ابتاتے ہوئے ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا''(۲۰)

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔''

اس آیت میں احسن انداز اختیار کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ جس میں الفاظ کی فصاحت وبلاغت، مقام ومحل کی مناسبت سے استعمال کرنا، مخاطب کی نفسیات کا خیال رکھنا، یہ تمام اسی طرز ادا کے غماز ہیں۔ احسن کلام کے سمندر کو کوزے میں بند کرتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ:

صاحب الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں
صاحب معنی کو صرف اک لفظ کافی ہوگیا

حسن آواز: کلمات کے چناؤ کی اہمیت کے ساتھ گفتگو میں آواز کا بلند و پست ہونا، آواز کی خوبصورتی، لہجہ کی ادائیگی بھی انسان کی نفسیات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جس قدر آواز بلند، انداز برا اور خوبصورتی سے یکسر عاری ہوگا انسان پر اسی قدر گراں گزرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے الفاظ میں بلند و بدترین آواز گدھے کی آواز کو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ'' (۲۱)

''اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اُونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے۔''

انسان کا دوسرے انسان پر اثر ورسوخ بڑھنے میں خطاب اور خطاب میں بھی انداز القاب، انداز کلام اور آواز بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ عوامل نہ صرف انسان کی شخصیت کو متعارف کرواتے ہیں بلکہ مخاطب کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

خطاب بذریعہ القاب:

اپنی بات کو ادا کرنے سے قبل فرد کو متوجہ کرنے کے لئے اچھے لقب سے پکارنا ضروری ہے۔یہی پہلا قدم فرد کے ساتھ گفتگو کی نہج کو مرتب کرنے میں کارآمد ہے۔اگر اچھے لقب سے پکارے جائے گا تو مخاطب بھی بات کو غور وفکر سے سننے کے لئے متوجہ ہوگا۔ورنہ برے القاب جہاں متکلم کے غصہ ونفرت کے اظہار کا باعث ہیں وہیں مخاطب کو متنفر کرنے کے لئے کافی ہیں۔اسی لئے قرآن حکیم نے اس پہلو کو انسانی نفسیات کے لئے ضابطہ حیات بنا دیا۔یوں باقاعدہ فصاحت و بلاغت کی ایک قسم التفات نے جنم لیا۔التفات سے مراد اللہ تعالیٰ نے جو خطاب فرمایا ان کو جاننا اور ساتھ ہی اسکی حکمتوں کو جاننا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

> ''قرآن کی حیثیت ایک آسمانی بلکہ کائناتی خطیب کی ہے جو پوری انسانیت سے بیک وقت مخاطب ہے، اس کا خطاب بیک وقت روئے زمین کے تمام انسانوں سے ہے۔کبھی اس کے مخاطب اہل ایمان ہوتے ہیں، اور کبھی اہل کفر۔کبھی اس کا روئے سخن مخلصین کی طرف ہوتا ہے تو کبھی منافقین کی طرف۔

ان حالات میں خطاب کا انداز اور صیغہ بار بار بدلتا رہتا ہے۔اس پیہم تبدیلی کو التفات کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔''(۲۳)

جب اس طرز خطاب کی افادیت پر تحقیق کرے ہیں تو بہت سے نایاب موتی ہاتھ لگتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کے مراتب، ان کے قبائل کی بناء پر عزت واحترام سے پکارا ہے۔ اس کے علاوہ متوجہ کرنے کے لیے ایسے صیغہ سے پکارا جس سے قربت کا احساس ہوتا ہے۔ان ہی افادیات کو بیان کرتے ہوئے صاحب ''محاضرات قرآنی'' قلم کشا ہیں کہ:

> ''التفات کے اس اسلوب میں کئی فوائد محسوس ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ سننے والا تھوڑا سا بیدار ہو جائے۔اور دوسرے سلسلہ بیان میں اچانک اپنے کو مخاطب پا کر بات کو زیادہ توجہ سے سنے۔یہ ایک نفسیاتی اسلوب ہے جس سے مخاطب کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔بعض اوقات کسی بعید شخص کو جو موجود نہیں ہے قریب فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے۔گویا دوسرے حاضرین اور مخاطبین کو اس خاص بات کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے۔بعض اوقات مخاطب کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔یعنی مخاطب دراصل تو غیر حاضر اور دور ہے لیکن ہم نے قریب فرض کر کے یہ بات بیان کی تاکہ دوسرے سننے والوں تک یہ پیغام پہنچے کہ ہم اس کو اپنے سے بہت قریب سمجھتے ہیں، اور اس کو یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ ایک صاحب عظمت شخص ہے۔'' (۲۴)

غرض قرآن حکیم کے ہر انداز خطاب میں حکمت کے موتی پوشیدہ ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم کے بنظر غائر مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے القابات کے چار مخاطبین کو نمایاں کیا ہے۔ان میں سے ہر ایک پر مختصر اور جامع نظر کچھ یوں ہے:

۱۔عمومی خطاب ۲۔اہل کتاب کو خطاب ۳۔اہل ایمان کو خطاب ۴۔دیگر اقوام کو خطاب

عمومی خطاب:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کا اسلوب بیان تا قیامت رہنے والا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اسرار و رموز کو عام کر دیا، تمام انسانیت کے لیے اسے عام فہم، ذریعہ ہدایت، علوم کا منبع، اصول وضوابط حیات کو پیش کر دیا گیا ہے۔ اس عمومیت نے قرآن حکیم کے دوام وحسن کو یکجا کر دیا۔ قرآن حکیم اپنی اس خصوصیت خطاب وعموم کو ایک لڑی میں پروتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

"یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاء لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ"(۲۵)

"لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا۔ اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے"

قرآن حکیم ایسا نصیحت آموز خطاب ہے جو انسان کی کمزوریوں کی تہہ تک پہنچ کر ان کا علاج تجویز کرتا ہے۔ اس کی یہ خصوصیت عالم انسانیت کے لیے ہے۔ انسان کی محتاجگی اور مشکلات کا سہارا وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ جب وہ بیمار ہو، شفا اسی سے مانگتا ہے۔ مشکل میں ہو دادرسائی اسی ذات سے منسوب ہے۔ انسان کی اسی حاجت مندانہ روش کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو نصیحت وشفاء بنا کر نازل فرمایا ہے۔ سید قطب شہید اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

"**جائتکم الموعظة من ربکم**"فلیس هو کتابا مفتری ولیس ما فیه من عند بشر جائتکم الوعظة لتحی قلوبکم، وتشفی صدورکم من الخرافة التی تملؤها، والشك الذی یسیطر علیها، والزیغ الذی یمرضها، والقلق الذی یحیرها، جائت لتفیض علیها البرء والعافیة والیقین والاطمئنان والسلام مع الایمان۔ وهی لمن یرزق الایمان هدی الی الطریق الواصل، ورحمة من الضلال و العذاب۔" (۲۶)

''یہ نصیحت تمہارے دلوں کو زندہ کرنے کے لیے ہے۔ تمہارے دلوں کو بیماریوں اور خلجانوں کو رفع کرتی ہے، اور تمہارے دل و دماغ میں جو غلط تصورات جمع ہو چکے ہیں، ان کو دور کرتی ہے، ان میں جو فکری کجی ہے، اس کو دور کرتی ہے، حیرانی اور پریشانی سے نجات دیتی ہے، صحت، عافیت اور یقین کی دولت سے دلوں کو بھر دیتی ہے، ایمانی اور سلامتی کی راہ بتاتی ہے اور جن لوگوں کو ایمان لانا نصیب ہو جائے ان کو ایمان واثق دیتی ہے اور گمراہی اور عذاب سے نجات ہے۔''

انسان کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے جہاں اپنا نسب، اپنا قبیلہ، اپنا ملک، اپنا وطن یہ تفریق ابتدا سے ہی موجود ہوتی ہے۔ جو گزرتے وقت کے ساتھ اسے آپس میں متنفر کر دیتی ہے۔ ایسے ماحول میں کسی فرد سے مساوات اور عمومی خطاب کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ قرآن حکیم نے ایسے موقعے پر ہی انسانیت کو مخاطب کر کے عالم اقوام کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ قرآن حکیم اس خصوصیت خطاب کو بیان کرتا ہے کہ:

"هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ"(۲۷)

''یہ قرآن لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔''

نہ صرف خطاب کیا بلکہ اس میں بھی موضوع، کلمات، فصاحت و بلاغت، مقصدیت، تناسب و ہم آہنگی وغیرہ سب کو ایسے جچے تلے پیمانہ میں باندھا جو رہتی دنیا کے لیے نمونہ ہے۔ قرآن حکیم نے تخاطب میں جس بنیادی نہج کا آغاز کیا وہ عمومیت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحیثیت مجموعی خطاب کیا ہے۔اس بناء پر بھی یہ کلام اب تک کے دیگر تمام کتب ونصائح سے بڑھ کر اثر انگیز، انقلاب آفریں،دلوں میں پیوست ود ماغ میں پختہ ہونے والا ہے۔تفسیر فی ظلال القرآن میں اس نکتہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''موضوع کے اعتبار سے قرآن کریم پوری انسانیت اور انسان کی پوری شخصیت سے ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کبھی انسان کے ذہن کے بارے میں بات کرے، یا اس کا موضوع سخن انسان کا قلب ہو، یا وہ انسانی احساسات کے بارے میں بات کرے بلکہ انسان کی شخصیت بحیثیت مجموعی قرآن کا موضوع ہے اور اس کا خطاب نہایت ہی مختصر طریقے سے ہوتا ہے۔وہ جب بھی انسان سے مخاطب ہوتا ہے وہ انسان کے قوائے مدرکہ کو ایک ہی بار جھنجوڑتا ہے۔اور سب کو ایک ہی بار خطاب کرتا ہے۔اس طرح وہ اپنے خطاب سے انسانی دل دماغ پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے، انسان سوچنے لگتا ہے اور وہ بے حد متاثر ہوتا ہے۔آج تک انسان اس قسم کا اثر آفریں کلام یا کوئی اور ذریعہ ایجاد نہیں کر سکا، جو انسان پر اس طرح کا گہرا، ہمہ گیر اور اس طرح کا دقیق اور اس طرح کا واضح اثر چھوڑتا ہو۔خصوصاً اس انداز اور اس اسلوب میں جو قرآن نے پیش کیا ہے۔''(۲۸)

قرآن حکیم میں ہم آہنگی، نظم، اسلوب بیان ان جیسے تمام اصلاحات دراصل عمومیت خطاب کے متقاضی ہیں جن کا اہتمام اللہ تعالیٰ نے انسان کی سوچ وفکر اور تخلیق کے عین مطابق فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسی لیے معاشرتی وتمدنی اصولوں کو تمام انسانیت کے لیے راہ ہدایت بنا دیا۔

اہل ایمان کو خطاب:

انسانیت کو عمومی خطاب میں اصول وضوابط کا عام اور مساوی طریقہ حیات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس میں دو اعتبار سے تخصیص فرمائی ہے۔اول صفت ایمان وکتاب کی وجہ سے، دوم قوم کی شناخت کی وجہ سے۔صفت ایمان کے ساتھ تقریباً ۸۰ سے زائد مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔گویا ایمان کے قبول کرنے کے بعد ہی انسان اب اس دائرے میں داخل ہوجاتا جس میں اس کے فرائض وذمہ داری، تعلق خدا میں مضبوطی بڑھ جاتی ہے۔اس محبت وانسیت کے سبب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خصوصی خطاب فرمایا تاکہ وہ اس منصب کے مطابق خود کو تیار کر سکے۔اس طرز میں تمام فرائض، ذمہ داریوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مومن کی کردار سازی بھی فرمائی ہے۔جس میں انداز گفتگو بھی شامل ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ''(۲۹)

''مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو''

اہم معاشرتی وسماجی تربیت کے اصول بیان فرما دیے گئے ہیں۔تمسخر اڑانے، عیب جوئی اور برے القابات کی ممانعت پر مبنی یہ آیت ہے۔جس میں خطاب اہل ایمان کو کیا جا رہا ہے یعنی ایمان کے بعد یہ تمام اعمال زیب نہیں دیتے ہیں۔جب اللہ تعالیٰ پر، انبیاء پر، عقائد پر ایمان لے آئے اب مومن کے منصب پر یہ زیب نہیں دیتا ہے۔امین احسن اصلاحی خطاب اہل ایمان کو بیان کرتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں کہ:

''اس خطاب سے اہل ایمان کو گویا اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں ان کے لیے زیبا نہیں کہ وہ ایمان کے بعد فسق کے داغ دھبوں سے اپنے دامن کو آلودہ کریں۔'' (۳۰)

ایک اور مقام پر گفتگو میں مومنین کو جاہلوں سے خطاب کے آداب سکھائے جا رہے ہیں۔قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِيْنَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً" (۳۱)

''اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔''

اہل کتاب کو خطاب:

قرآن حکیم نے اہل کتاب کا ذکر دو اعتبار سے فرمایا ہے۔اول یہ وہ طبقہ ہے جو الہامی کتب و احکامات سے آشنا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی یاد دہانی اور تصدیق کی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

"نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ" (۳۲)

''اس نے (اے محمد ﷺ) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل نازل کی''

نہ صرف الہامی کتب سے آشنا تھے بلکہ آخری نبی کریم ﷺ کی اپنے بیٹوں کی طرح پہچان رکھتے ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

" الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمْ وَإِنَّ فَرِيْقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ" (۳۳)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں، مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے''

دوم ان کی کی گئیں تحریفات کا ازالہ اور احکامات کا دائمی اعلان کرنا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَـذَا مِنْ عِندِ اللّهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ" (۳٤)

''تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے، تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے، اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں''

ان تمام نوعیّتوں کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے مقالہ نگار رقمطراز ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''قرآن بنی نوع انسان کو راہ حق کی طرف دعوت دیتا ہے اور خاص کر سابقہ صحف سماویہ کے ماننے والوں سے مخاطب ہوتا ہے، کہیں ان پر کی گئی نعمتیں یاد دلاتا ہے، کہیں آخری نبیﷺ کے متعلق ان کی کتب میں موجود پیشن گوئیوں کی بابت بتاتا ہے، کہیں سابقہ کتب سماویہ میں کی گئی تحریک کی نشاندہی کرتا ہے، کہیں مسخ شدہ حالات وواقعات کی تصحیح اور انبیاء پر لگائے گئے الزامات کی تردید کرتا ہے، کہیں اہل کتاب کی اپنے ہی اوپر لاگو کی گئی حد بندیوں اور بندشوں سے ان کی رہائی دلانے کی بات کرتا ہے۔''(۳۵)

اس طرح قرآن حکیم میں واضح انداز ارشاد ہوتا ہے کہ:

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ"(۳٦)

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔''

لہٰذا قرآن حکیم میں اہل کتاب کو خصوصی انداز سے مخاطب کیا گیا ہے۔ جو ان کے لئے باعث تکریم اور باعث توجہ بھی ہے۔ اہل کتاب کا ذکر قرآن کریم میں تین طرح پر کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو اس سے صرف یہودی مراد ہیں، اور بعض جگہ صرف نصرانی اور بعض مقامات پر یہودی اور نصرانی دونوں مراد ہیں۔

دیگر اقوام کو خطاب:

قرآن حکیم نے انسانیت کی فلاح وکامرانی کے لیے ہر دور میں انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ جن کی نبوت کسی نہ کسی قوم کے لیے رہی ہے۔ قرآن حکیم نے اقوام کو بھی مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا ہے جیسا کہ ''ایک نسل کے گروہ کو قوم سے پکارا ہے مثلاً قوم عاد، قوم ثمود۔ وطن اور قومیت کے اعتبار سے قوم کہاں گیا ہے مثلاً قوم سبا۔ کسی خصوصیت کے تحت ان کو قوم میں شامل کر دیا گیا ہے مثلاً قوم المجرمین۔''(۳۷) قرآن حکیم میں ان تمام کے تحت خطابات مذکور ہیں، جن میں سے اہم اقوام کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ۔ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ۔ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسَى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ"(۳۸)

''اور اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد وثمود بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں۔ اور قوم ابراہیم اور قوم لوط بھی۔ اور مدین کے رہنے والے بھی۔ اور موسیٰ بھی تو جھٹلائے جا چکے ہیں لیکن میں کافروں کو مہلت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا رہا پھر ان کو پکڑ لیا۔تو (دیکھ لو) کہ میرا عذاب کیسا (سخت) تھا''

ایک اور مقام پر خصوصی خطاب کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو پکارا جا رہا ہے کہ:

"یَا بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ اذْکُرُواْ نِعْمَتِیَ الَّتِیْ أَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَأَوْفُواْ بِعَهْدِیْ أُوفِ بِعَهْدِکُمْ وَإِیَّایَ فَارْهَبُونِ''(۳۹)

''اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا۔ میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔''

اقوام کو خطاب کرنے کا مقصد جہاں اس قوم کو متوجہ کرنا مطلوب ہے وہیں ان کوتاہیوں اور رویوں کا ذکر کرنا بھی ہے۔ یہ رویے مثبت و منفی دونوں اعتبار سے قرآن حکیم میں بیان کئے گئے ہیں۔ دیگر اقوام کی نسبت بنی اسرائیل کا ذکر زیادہ کیا گیا ہے۔جس کی وجہ ان میں سلسلہ نبوت کی کثرت اور ان کا زمانہ طویل رہا ہے۔تبویب القرآن میں بنی اسرائیل کے خطاب کی وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''قرآن کریم نے داستان بنی اسرائیل کو بڑی شرح وبسط سے بیان کیا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ (۱) غیروں کی محکومی میں قومیں کس قدر تباہ حال ہوتی ہیں (۲) خوئے غلامی سے ان میں کس کس قسم کی کمینہ عادات پیدا ہوجاتی ہیں۔(۳) وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے محکوم قوم کس قدر عروج حاصل کرسکتی ہے۔(۴) وحی کی راہ نمائی چھوڑنے کے بعد، ان کی حالت کیا ہوجاتی ہے۔''(۴۰)

دیگر اقوام کا ذکر بھی تقریباً ان ہی نکات کو مخاطب کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قوم نوحؑ، قوم عاد وثمود وغیرہ۔ قرآن حکیم نے اقوام عالم سے ہر انداز سے خطاب کے ذریعے انسانیت کی صنف ادائیگی میں تربیت فرمائی ہے۔سب سے بڑھ کر خود ایسا نمونہ خطاب پیش کیا جو رہتی دنیا کے لیے معجزہ ہے۔قرآن حکیم کی جامعیت واثر انگیزی میں خطاب وطرز خطاب منفرد و اہم مقام کا حامل ہے۔خطاب کا یہ عنصر قرآن حکیم کے اعجاز کا جداگانہ پہلو ہے۔ چاہے قرآن حکیم کا اپنا اسلوب ہو یا انسانیت و مومنین کی تربیت میں حسن خطاب کی تلقین ہو، ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو ایسے موتیوں کی لڑیوں میں پیرو یا ہے جس کا مقابلہ انسان کیا مخلوقات ارض وسماء کے لیے بھی ممکن نہیں۔سید قطب نے کسی حد تک اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''فلیس هو اعجاز اللفظ والتعبیر واسلوب الادا وحده، ولکنه الاعجاز المطلق الذی یلمسه الخبراء فی هذا وفی النظم والتشریعات و النفسیات وما الیها.'' (۴۱)

''قرآن مجید کا اعجاز فقط الفاظ، طرز ادا اور حسن تعبیر تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ عام اور مطلق اور بے قید اعجاز ہے، ان امور کے ساتھ ساتھ مضامین، انسانی نفسیات کے ساتھ ڈیلنگ اور اپنے دستوری اور قانونی اور معاشی اور معاشرتی نظام کے پہلو سے بھی قرآن معجزہ ہے۔''

عصر حاضر میں اطلاق:

قرآن حکیم کے انداز خطاب نے جہاں تقریر وخطابت کی صنف کو جلاء بخشا ہے وہیں انسان کو تاحیات خطاب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زریں اصول سے نوازا ہے۔عصر حاضر میں شعلہ بیان مقرر وخطیب بے شمار ہونگے مگر روزمرہ کے خطابات اور گفتگو میں کوئی بھی ان اسالیب و انداز کو اپنائے ہوئے نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ معلومات اور باتیں بہت سی ہونے کے باوجود تاثیر سے نابلد ہیں۔

چنانچہ عصر حاضر میں گفتگو یا خطاب کے انداز کو قرآن کی روشنی میں اصلاح کی اشد ضرورت ہے جن میں چند تجاویز درج ذیل ہیں:

- مخاطب کو اچھے القابات سے پکارنا چاہئے۔
- تحقیر و تمسخر سے اجتناب کو لازم قرار دیا جائے۔
- بات کا مدلل اور سادہ ہونا ضروری ہے۔
- خطاب کا انداز اور بیان، مخاطب کے اعتبار سے منتخب کیا جائے۔
- الفاظ کی بوچھاڑ کی بجائے فصیح و بلیغ بات کہی جائے۔
- حکمت سے بھرپور انداز کو اختیار کیا جائے۔
- اہل کتاب کو خصوصی طور پر ان آیات کی روشنی میں مخاطب کیا جائے جیسا کہ قرآن نے کیا۔
- نہ صرف اہل کتاب بلکہ معاشرتی و تاریخی اعتبار سے معتبر اقوام و خاندان کو اسی عزت و احترام کے تحت خطاب کیا جائے۔

حاصل بحث:

انسانی معاشرہ میں گفتگو، باہم تعلقات کے ہموار کرنے کا پہلا قدم ہے۔جس قدر یہ قدم سوچ و بچار سے اٹھایا جائے اتنا ہی تعلقات کے استوار کرنے میں پیش قدمی ہوگی۔قرآن حکیم خطاب کے لئے ان تعلیمات و احکامات کا مجموعہ ہے جو انسان کے لئے راہ ہدایت ہے۔ جو صرف دعوت کو پھیلانے کا ذریعہ نہ تھے بلکہ انسان کو مرتبہ انسانیت کے مرتبہ پر فائز کرنے کا مقصد لئے ہوئے ہیں۔عصر حاضر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسان اس مرتبہ سے پھر نیچے گر چکا ہے، وہ معیارات و احکامات کو صرف نظر کر کے خودغرضی کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

تمام الہامی کتب اور قرآن مجید نے ہمیشہ انسان کو مفادات سے بالاتر ہو کر انسانی معاشرے کو ان فطری تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے اور سمجھانے کے لیے ہمیشہ نظریہ خطاب کے تحت تلقین کی ہے اور اس کو مختلف زاویوں سے تمام اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مخاطب کیا ہے۔تاکہ اس کو سمجھنے میں کسی قسم کی احساس کمتری، ذلت یا ناقابل برداشت رویے کا سامنا نہ ہو اور ساتھ ہی مخاطب کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ دوران خطاب ان اصولوں کا خیال رکھے۔

ضرورت اسی امر کی ہے کہ قرآن حکیم میں موجود احکامات اور تخاطب کے حکیمانہ انداز کو سمجھتے ہوئے روزمرہ سے لے کر ہر مقام میں گفتگو کو نکھارا جائے۔یہی وہ اہم عادت ہے جو فرد کی شخصیت کو پختہ کرتے ہوئے معاشرے میں امن امان اور مابین المذاہب رواداری کا باعث بن سکتی ہے۔قصہ مختصر اگر ان بنیادی نکات کو روزمرہ خطاب میں مسلمان اپنالیں تو یقیناً انسانی معاشرہ راہ ہدایت کے اس مقام تک پہنچ سکتا ہیں کہ جس پر عرب دور نبوی ﷺ میں فائز ہوئے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصادر و مراجع:

۱۔ لوئیس معلوف، المنجد، (خلیل اشرف عثمانی،۱۹۹۴ء) ص۲۸۲

۲۔ راغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، (کراچی، کارخانہ تجارت کتب،۱۹۶۱ء) ص۱۵۰

۳۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، (القاھرۃ، دار المعارف، س،ن)، ج۲، ص۱۱۹۴

۴۔ ایضاً، ج۲، ص۱۱۹۵

۵۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، لسان القرآن، (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۸۳ء)، ج۲، ص۶۲۶

6. Charles taylor, Human agency and language,(New York., Cambridge University press), p.g.no 263

۷۔ محمد حسن، ڈاکٹر، پیر، بلوغ الارب، (لاہور، اردو سائنس بورڈ،۲۰۰۲ء)، ج۴، ص۱۳۶

۸۔ ڈیوڈ ہیوم، فہم انسانی، مترجم، عبدالباری، (لاہور، بک ہوم،۲۰۰۵ء) ص۱۴۳

۹۔ محمد حسن، ڈاکٹر، پیر، بلوغ الارب، محولہ بالا، ج۴، ص۱۳۶ تا۱۳۷

۱۰۔ بریلوی، شمس، سرورِ کونین ﷺ کی فصاحت، (کراچی، مدینہ پبلشنگ،۱۹۸۵ء) ص۱۲۳ تا۱۲۵

۱۱۔ ایضاً، ص۱۲۶

۱۲۔ الرافعی، مصطفیٰ صادق، اعجاز القرآن و البلاغۃ النبویۃ، (مصر، مطبعۃ الاستقامیۃ،۱۹۴۵ء) ص۲۱۴

۱۳۔ بریلوی، حضرت شمس، سرورِ کونین ﷺ کی فصاحت، محولہ بالا، ص۱۳۴

۱۴۔ القرآن:۲۰:۹۵

۱۵۔ القرآن:۳۸:۲۰

۱۶۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، لسان القرآن، محولہ بالا، ج۲، ص۲۶۸

۱۷۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، مترجم سید معروف شاہ شیرازی، (لاہور، ادارہ منشورات اسلامی،۱۹۹۷ء)، ج۳، ص۹۵۷

۱۸۔ القرآن:۱۷:۵۳

۱۹۔ سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، محولہ بالا، ج۱، ص۴۳۵

۲۰۔ القرآن:۱۶:۱۲۵

۲۱۔ لدھیانوی، رحمت اللہ سبحانی، مخزن اخلاق، (لاہور، ادارہ مطبوعات سلیمانی، س۔ن) ص۴۴۳

۲۲۔ القرآن:۳۱:۱۹

۲۳۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات قرآنی، (الفیصل ناشران، لاہور۲۰۰۹ء) ص۳۳۳

۲۴۔ ایضاً، ص۳۳۵

۲۵۔ القرآن:۱۰:۵۷

۲۶۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، (مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، س،ن)، ج۱۱، ص۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۷۔القرآن:۴۵:۲۰

۲۸۔سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، مترجم، محولہ بالا، ج ۳، ص ۷۹۷

۲۹۔ القرآن:۴۹:۱۱

۳۰۔امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، محولہ بالا، ص ۵۰۵

۳۱۔القرآن:۲۵:۶۳

۳۲۔القرآن:۳:۳

۳۳۔القرآن:۲:۱۴۶

۳۴۔ القرآن:۲:۷۹

۳۵۔تفسیر قرآن میں کتب سابقہ سیا خذ واستدلال کے اسالیب، محمد خبیب/ ڈاکٹر محمد عبداللہ، ص ۲۸۳، مشمولہ التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی، جلد ۸، شمارہ ۲۳، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء

۳۶۔القرآن:۳:۶۴

۳۷۔پرویز، غلام احمد، تبویب القرآن، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۷۷ء)، ج ۳، ص ۱۱۵۰

۳۸۔القرآن:۲۲:۴۲تا۴۴

۳۹۔القرآن:۲:۴۰

۴۰۔پرویز، غلام احمد، تبویب القرآن، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۶۱

۴۱۔سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۸۲

© rasailojaraid.com